ترجمہ وتلخیص

فقہی مذاہب کے درمیان تلفیق

ــــــــــــــــــــ ڈاکٹر اسمٰعیل کوکصال

مترجم: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

ہر زمان ومکان میں لوگوں کی مصالح کی رعایت، ضرورتوں کے تقاضے، اور تبدیلیوں کے مطالبات کا ساتھ دینے کے لیے اسلامی فقہی مذاہب کی آراء کے درمیان انتخاب واختیار نے عصر حاضر میں فکر اسلامی کی ترقی کے لیے کام کرنے والوں اور فقہ اسلامی سے ماخوذ اور مستنبط قوانین وضع کرنے والوں کی راہ روشن کی ہے۔ ترقی کے اسباب وتقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مصلحین نے ایک مسئلہ میں متعدد فقہی آراء میں سے صحیح یا افضل یا مناسب ترین رائے کو اختیار کیا ہے کہ وہ درج ذیل اصولوں یا بنیادوں کی روشنی میں موجودہ زمانہ کی عام مصلحت کے مطابق ہو جائے:

۱) حق متعدد نہیں بلکہ ایک ہے، اللہ کا دین ایک ہے جو ایک سر چشمہ یعنی کتاب و سنت اور سلف صالح کے عمل سے ماخوذ ہے۔

۲) اخلاص

۳) تنگی رفع کرنے کا اصول یا گنجائش اور آسانی فراہم کرنے کی خاصیت

۴) لوگوں کی نئی نئی ضرورتوں اور مصالح کی رعایت

۵) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی واجب کی ہوئی چیز کے علاوہ کوئی چیز واجب نہیں ہے، نیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ واجب نہیں کیا ہے کہ دلیل جانے بغیر اللہ کے دین پر عمل کیا جائے۔

٦) صحیح اور راجح بات یہی ہے کہ کسی متعین فقہی مذہب کی پابندی واجب نہیں ہے۔

یہ بات بھی معلوم ہے کہ فقہی مذاہب کے ائمہ اور مجتہدین کی تقلید میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے، اسی طرح دین میں سہولت یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرۃ ۱۸۵) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے فقہی مذاہب کے اقوال میں تلفیق کی ممانعت نہیں ہے، نیز بیش تر لوگوں کا خود کوئی مذہب نہیں ہوتا، ان کا مذہب تو ان کے مفتی کا مذہب ہوتا ہے، حالاں کہ ان کو اپنے عمل کے شرعی ہونے کی فکر اور حرص ہوتی ہے۔

لیکن مختلف فقہی مذاہب کی آراء میں سے انتخاب و اختیار کے رجحان کے موجودہ زمانہ میں آسان ترین مذہب کو اخذ کرنے کے لیے شرعی قواعد و ضابطے جاننا ضروری ہیں، تاکہ یہ عمل انتشارِ فکر کا باعث نہ بن جائے، یا شرعی دلیل اور قابلِ قبول ضرورت کے بغیر محض شخصی خواہش و رغبت کے نتیجہ کی صورت نہ اختیار کرلے، اس لئے آسان ترین رائے کا اختیار و انتخاب خود ایک طرح کا اجتہاد ہے [۱] اور اجتہاد کی طرح شرائط و قواعد کا یہاں بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

اصول فقہ کے علماء نے اس موضوع پر بہت بحث کی ہے کہ اگر ایک زمانہ کے مجتہدینؒ کا دو مسئلوں میں اختلاف ہو جائے اور ہر مسئلہ میں ان کی الگ الگ رائے ہو تو کیا ان کے بعد کے مجتہد کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ مذکورہ دو مسئلوں میں سے ایک مسئلہ میں ایک گروہ کی رائے قبول کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے گروہ کی؟ دوسرا موضوع علمائے اصول کے نزدیک یہ زیرِ بحث رہا ہے کہ ایک زمانہ کے مجتہدینؒ کا ایک ہی مسئلہ میں اختلافِ رائے ہوا، اور ہر فریق اپنی اپنی رائے کا قائل رہا، یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہو گیا، تو کیا ان دونوں گروہوں کا ان دونوں رایوں پر ایسا اجماع مانا جائے گا کہ تیسری رائے قائم نہ کی جاسکے؟ یا یہ کہ ایک رائے پر تمام مجتہدینؒ کا اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اجماع نہیں شمار کیا جائے گا؟

قدیم علماء اصول نے ان دونوں موضوعات پر الگ الگ بحث کی ہے، اور ان کی اتباع بیضاویؒ [۲] ابن سبکیؒ [۳] اور قرافیؒ [۴] نے کی ہے، لیکن ان کے بعد کے علماء اصول نے

ان دونوں موضوعات کو ایک موضوع مانا ہے جیسے آمدی ۵ ابن حاجب ۶ صدر الشریعہ ۷ کمال الدین بن ہمام و ملا خسرو ۸ اور عبد الشکور ۹ ان حضرات میں سے بعض نے اس کو مطلق جائز مانا ہے، لیکن بیش تر نے مطلق ناجائز سمجھا ہے ۱۰ اس لیے کہ یہ تو ساری امت کے اقوال کو صرف ان دو راویوں میں محدود کرنے پر اجماع شمار کرنا ہوا جو غلط ہے۔ ۱۱

تلفیق:

کتب لغت میں لَـفَقَ یَلْفِقُ الثوب کا مطلب ہے کپڑے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے پر رکھ کر سینا ۱۲ اسی سے یہ معنیٰ نکلے کہ مناسب چیزوں یا امور کو اس طرح ملائیں کہ وہ ایک چیز بن جائیں یا ایک طریقہ پر آجائیں، علمائے حدیث نے اس لفظ کو اسی معنیٰ میں استعمال کیا ہے اور تلفیق الحدیث کا علم بھی ایجاد کیا ہے، جس میں ظاہری طور پر متضاد احادیث کے درمیان عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ وجوہِ تاویل کے ذریعہ مطابقت پیدا کرنے اور توفیق دینے سے بحث کرتے ہیں، چناں چہ امام بخاریؒ نے احادیث الافک کی متعدد متون میں تلفیق کی ہے۔ ۱۳

اصطلاح میں تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کو اس کیفیت سے اختیار کرنا جس کیفیت سے مجتہد نے نہیں کیا ہے، اس کے معنیٰ فقہی مذاہب کی تقلید کا عمل اور ایک مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ اقوال اخذ کرنے پر مرتب ہوتے ہیں، تاکہ ایسی مرکب حقیقت تک پہنچا جا سکے جس کو اس کے مذہب والا امام مانتا ہے، نہ وہ امام جس کی رائے کی طرف فی الوقت اس کا رجحان ہوا ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے تو ہر ایک امام اس نئی ملفّق حقیقت کے باطل ہونے کو مانتا ہے، اور یہ بات اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ مقلد ایک ہی مسئلہ میں ایک ساتھ دو اقوال پر عمل کرے، یا ایک قول پر اس طرح عمل کرے کہ دسرے قول کا اثر بھی باقی رہے ۱۴ مثلاً ایک شخص وضو میں شافعی مسلک کی تقلید میں سر کے کچھ حصے کا مسح کرے، پھر شہوت کے ارادہ کے بغیر عورت کو چھونے کے حنفی یا مالکی مسلک کے مطابق وضو نہ ٹوٹنے کے مسئلہ کی تقلید کرے، ظاہر ہے کہ نماز کے لیے اس طرح کے وضو کا مذکورہ اماموں میں سے کوئی قائل نہیں ہے، اس

لیے کہ شافعی مسلک میں عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے یہ نماز باطل ہوگئی، اور حنفی مسلک میں پورے سر کے مسح نہ کرنے کی وجہ سے یہ نماز جائز نہ ہوگی۔ ۱۵

رخصت:

رخصت یہ ہے کہ پیش آنے والے مسائل میں ایک شخص اپنے لیے ہر مذہب کی آسان ترین چیز کو اختیار کرے، ۱۶ اس لیے لغت میں رخصت کے معنی آسانی اور سہولت کے ہیں، جیسے مہنگائی کے برخلاف جب چیزیں سہولت اور آسانی سے ملنے لگیں تو رخص السعر کہتے ہیں ۱۷

علمائے اصول فقہ کی اصطلاح میں رخصت اس حکم کو کہتے ہیں جو ممانعت کے کلّی اصول کے خلاف کسی شدید عذر کی وجہ سے مشروع ہوا ہو، اور ضرورت کے وقت ہی اس پر عمل محدود ہو۔ ۱۸

شرعی حکم کی تلفیق میں رخصتوں کی تلاش پر یہاں گفتگو بے محل نہ ہوگی، اس لیے رخصتوں کی تلاش و جستجو کا مطلب یہ ہے کہ پیش آنے والے مسائل میں ہر مذہب کے آسان ترین حکم کو تلاش کیا جائے، یہ اختلافی موضوع ہے، لیکن نص اور جلی قیاس کے خلاف حاکم کے حکم کے معنیٰ میں رخصتوں کی تلاش متفقہ طور پر ممنوع ہے ۱۹

ابن امیر الحاج حنفیؒ نے کہا ہے: رخصتوں کی تلاش جیسے بھی ہو اس میں مکلّف کے لیے کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے جس شخص نے شافعی مسلک کی تقلید میں مہر کے بغیر اور مالکی مسلک کی تقلید میں کافی شہرت کے ساتھ لیکن گواہوں کے بغیر شادی کی تو اس کا نکاح صحیح ہوگا، اس لیے کہ امام مالکؒ نے شافعی مقلد کے بے مہر نکاح کو باطل نہیں کہا ہے، حالاں کہ ان کے نزدیک شوافع کا نکاح باطل ہونا چاہیے تھا، اسی طرح امام شافعیؒ نے یہ نہیں کہا ہے کہ مالکی مقلد کا گواہ کے بغیر نکاح باطل ہے، حالاں کہ ان کے نزدیک مالکیوں کا نکاح باطل ہونا چاہیے تھا۔ اس کے بعد ابن امیر الحاج نے یہ بھی کہا ہے کہ رخصتوں کی تلاش کے خلاف کوئی شرعی مانع نہیں ہے، غالب گمان یہ ہے کہ رخصتوں کی تلاش کے خلاف علما۔ عام لوگوں کو اس بات سے روکنا چاہتے ہیں کہ ہر شخص

ہر مذہب میں سے اپنی مرضی کے مطابق نفس کے لیے آسان ترین احکام اختیار نہ کرنے لگے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ اس بات میں کیا مانع ہے؟ میں نے تو شرع میں اس کی مذمت نہیں دیکھی، اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے وہ چیز پسند کرتے تھے جو ان پر ہلکی ہو، شاق نہ ہو۔ ۲۰

امام غزالیؒ کا قول ہے: ''عامی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں اپنے نزدیک بہترین حکم کا انتخاب کر کے توسع کی راہ اپنائے، بلکہ متعارض دلیلوں کی طرح ان کے نزدیک اس ترجیح کا حق مفتی کو ہے، اس کو ترجیح دینے میں ظن غالب کی اتباع کرنی چاہیے، رخصت کی تلاش میں صرف تخفیف کو ملحوظ نہیں رکھنا چاہیے۔'' ۲۱

امام شافعیؒ کا کہنا ہے: رخصتوں کی تلاش و انتخاب خواہش کے تابع نہیں ہے، اس لئے شریعت نے رغبت و خواہش کی اتباع سے منع کیا ہے، لہذا مقلد کے لیے بھی قوی ترین دلیل کے ذریعہ ترجیح واجب ہے۔ ۲۲

مالکیہ اور حنابلہ کے صحیح مذہب کے مطابق فقہی مسالک میں رخصتوں کی تلاش منع ہے، ۲۳ اس لئے کہ یہ نفس کی خواہشات کی طرف جھکنے کا رجحان ہے، جس سے شریعت نے منع کیا ہے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیٍٔ فَرُدُّوہ اِلَی اللّٰہ وَ الرَّسُولِ (النساء :۵۹) (جس چیز میں تمھارا نزاع نہ ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو) اس لیے متنازع فیہ باتوں کو خواہشات نفس کی طرف نہیں بلکہ شریعت کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

ابن عبدالبرؒ سے یہ اجماع منقول ہے کہ عامی کے لیے رخصت کی تلاش جائز نہیں ہے، نیز اختلافی بات میں احتیاط کی روش یہ ہے کہ زیادہ قوی اور شدید حکم کی پابندی کی جائے، اس لیے کہ قوی ترین دلیل پر عمل حدیث **دع ما یریبک الی ما لا یریبک** ۲۴ (مشتبہ چیز کو غیر مشتبہ چیز کے لیے چھوڑ دو) کے موافق ہے۔

قرافی مالکیؒ، امام شافعیؒ کے بیشتر اصحاب، اور احناف کے نزدیک رخصتوں کا جواز ہے ۲۵ اس لیے کہ اگر ممکن ہو تو انسان کو زیادہ ہلکے آسان حکم پر چلنا چاہیے، آپ کے بارے میں وارد ہے: **ما خُیّر بین أمرین الا اختار أیسر هما مالم یکن**

اثما[۲۶] نیز آپ نے فرمایا ہے: ان هذا الدين يسر و لن يشادّ الدين أحد الا غلبه [۲۷]
(یہ دین آسان ہے جو بھی اس سے مزاحمت کرے گا وہ اس پر وہ غالب آجائے گا)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رخصت اختیار کرنے کا اصول پسندیدہ بات ہے، اللہ کا دین آسان ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ من حَرَجٍ الحج: ۷۸ (اللہ تعالی نے دین میں تمہارے لئے تنگی نہیں فرمائی ہے) لیکن اس میں کچھ قاعدوں اور ضابطوں کا لحاظ واجب ہے، اس لیے کہ آسان ترین حکم اختیار کرنے کے اصول میں درج ذیل مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں[۲۸]:

۱) کسی عزیز یا دوست کو فائدہ پہنچانے کے لیے رخصتوں کی تلاش، خواہشاتِ نفس کی تابع داری فتویٰ میں غلطی کا سبب ہو سکتی ہے۔

۲) یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف اس کے جواز یا مباح ہونے کی دلیل ہے، یہاں تک کہ کسی امر میں علماء کے اختلاف ہی کو لوگوں نے اس کے جواز کی دلیل سمجھنا شروع کر دیا ہے۔

۳) اصولی بات کے بجائے مسلکی اقوال کو رغبت و خواہش کی بنیاد پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۴) اختلافی اقوال میں سب سے ہلکے قول کو اختیار کرنے کے اصول سے احکام شریعت سے نجات یا منجملہ دست برداری حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس لیے جائز تلفیق صرف اس میدان میں محدود رہنی چاہئے جہاں اللہ کے نازل کردہ احکام سے اعراض لازم نہ آتا ہو یا جہاں حق کی ترجیح واضح نہ ہو [۲۹]

آسان ترین مسلک کو اختیار کرنے کے شرعی ضابطے:

علماء اصول اور فقہ کی کتابوں میں اس موضوع پر مجھے علیحدہ مستقل بحث نہیں ملی، لیکن انہوں نے تلفیق، رخصتوں کی تلاش اور تقلید کے موضوعات پر جو عام باتیں لکھی ہیں ان سے آسان ترین مسلک اختیار کرنے کے شرعی ضابطے وضع کیے جا سکتے ہیں جو یہ ہیں:

۱) آسان ترین قول کو اختیار کرنا صرف شرعی اجتہادی ظنّی فرعی مسائل میں محدود ہونا چاہئے، یعنی وہ علمی مسائل جن کے احکام ظن اغلب سے ثابت ہوئے ہوں جیسے عبادات،

معاملات، عائلی قوانین اور جرائم کے ایسے احکام جن کے بارے میں قطعی نص یا اجماع یا جلی قیاس موجود نہ ہو، یہی تقلید اور تلفیق کا میدان ہے، ان کے علاوہ آسان ترین قول کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے عقائد، اصولِ ایمان اور اخلاق کے مسائل، یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اللہ کے وجود اور اس کی توحید، دلائل نبوت اور دین کا ہر وہ علم جس کا جاننا دینی ضرورت کے طور پر واجب ہے۔

۲) آسان ترین قول اخذ کرنے کی وجہ سے شرع کے قطعی مصادر جیسے کتاب، سنت، اجماع یا ان کے عام اصول وقواعد سے ٹکراؤ نہ ہو [۳۰]

۳) آسان ترین قول اخذ کرنے کی وجہ سے ممنوع تلفیق کا ارتکاب نہ ہو جس کی تین قسمیں ہیں:

الف) قصداً رخصتوں کی تلاش، یعنی ضرورت اور عذر کے بغیر آسان ترین قول اختیار کرنا۔

ب) وہ تلفیق جس سے قاضی کے حکم کی خلاف ورزی لازم آئے۔

ج) وہ تلفیق جس سے ایسے عمل سے رجوع لازم آئے جس پر تقلید کے طور پر عمل کیا جاتا ہے، یا ایسے متفق علیہ لازم امور سے رجوع لازم آئے جس کی اس نے ذمہ داری اٹھائی ہے، ایسے موقع پر اگر شرعی تکالیف سے چھوٹ یا قرض اور نکاح جیسے معاملات کے ساتھ کھلواڑ، یا انسانوں کو نقصان رسانی، یا زمین میں بگاڑ، یا معاشرتی مفاد کو نقصان پہنچانا لازم آئے تو آسان ترین قول کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

۴) آسان ترین قول کو اخذ کرنے کی واقعی ضرورت ہو، تاکہ دین کو کھیل، یا نفس کی خواہشات ورغبات کا پاس دار اور خودغرضانہ مقاصد کے مطابق نہ بنالیا جائے، اس لیے کہ شریعت نے خواہشات کی پیروی کی سخت ممانعت کی ہے، لہٰذا راجح دلیل اور معتبر مصلحت کا اعتبار اور لحاظ واجب ہے۔

۵) آسان ترین قول کو اختیار کرنے کا معاملہ ترجیح کے اصول سے مقید ہونا چاہیے، یعنی پہلا عام مقصد دلیل کے مطابق قوی ترین یا راجح ترین رائے پر عمل ہو، اس لیے کہ

آسان ترین قول کو اخذ کرنا بھی ایک قسم کا اجتہاد ہے اور مجتہد ایسی راجح دلیل کی اتباع کا پابند ہے جو اس کو اس کے ظن غالب کے مطابق صحیح رائے تک پہنچائے۔ لہٰذا علمائے اصول نے مفتی یا مجتہد پر دلیل کے مطابق قول کی اتباع واجب قرار دی ہے، اس لیے وہ مختلف مسالک فقہ میں سے ضعیف ترین نہیں بلکہ قوی ترین مسلک کو اختیار کرے۔ صحابہ کرام کا اپنے اجتہادات میں دو گمانوں میں سے ضعیف ترین پر نہیں بلکہ راجح ترین پر عمل کے وجوب کا اجماع تھا، عقل بھی تمام امور میں راجح عمل ہی کو ضروری سمجھتی ہے اور شرع اصلاً عقل کے ساتھ اتفاق رکھتی ہے، قرافیؒ نے کہا ہے کہ: اگر حاکم مجتہد ہو اور اس کے نزدیک اس کے فقہی مسلک کی مشہور رائے راجح نہ ہو تو اس کو غیر راجح رائے کے مطابق حکم دینا جائز نہیں، نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے: مرجوح رائے کے مطابق حکم یا فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے، یہ ضابطہ دو شقوں پر مشتمل ہے:

الف) مسئلہ اجتہادی ہو اور اس میں کوئی راجح دلیل نہ ہو،

ب) اس کی کوئی ضرورت، مصلحت یا عذر ہو (تب تلفیق ہو سکتی ہے) ۳۱

لوگوں کی مشکلات حل کرنے کے لیے ہمارے اسلاف کا چھوڑا ہوا عظیم فقہی سرمایہ چار معروف فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) ہی میں محدود نہیں ہے، وہ ان تمام مذاہب پر مشتمل ہے جو محفوظ نہ رہ سکے، جیسے لیث بن سعد ۳۲ اوزاعی ۳۳ ابن جریر طبری ۳۴ داؤد ظاہریؒ ۳۵ اور سفیان ثوریؒ ۳۶ کے مسالک، نیز صحابہ و تابعین اور تبع تابعین ۳۷ کی آراء و اقوال کو بھی شامل ہے، ان میں ہمیں اپنی موجودہ نشاۃ ثانیہ کے لیے بہت مفید چیزیں مل سکتی ہیں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم غیر شرعی احکام کسی مغربی یا مشرقی ماخذ سے حاصل کریں۔ اللہ کا دین آسان ہے، مشکل نہیں ہے، اس میں کوئی تنگی نہیں ہے اور مصلحتوں و ضرورتوں کا حصول شرعی طور پر مطلوب ہے، اس لیے قانون وضع کرنے والے کے لیے نہ تو اس میں کوئی حرج ہے کہ وہ تمام مذکورہ بالا آراء و اقوال اور اجتہادی مذاہب میں سے کسی ایک کو اخذ و اختیار کرے اور نہ اللہ کے بتائے ہوئے اجتہاد کے مطابق رائے دینے میں اس پر کوئی گناہ ہے ۳۸، چناں چہ عز بن

عبدالسلامؒ نے کہا ہے: مقلد کے نزدیک مذہب کے ثبوت اور اس کی صحت کے غلبۂ ظن کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی فقہی مذہب میں جب کوئی حکم ثابت ہو جائے تو اس کے لیے اس کی تقلید جائز ہے، خواہ وہ مذہب معروف چار فقہی مذاہب کے علاوہ ہو، اسی لئے اس بات پر اجماع ہے کہ نومسلم جس عالم کی چاہے تقلید کرے، اور صحابہ کا یہ اجماع رہا ہے کہ جس شخص نے حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ سے فتویٰ لے کر ان کی تقلید کی اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ ابو ہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہ سے فتویٰ لے اور ان کے قول پر کسی نکیر کے بغیر عمل کرے ۳۹؎ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ائمہ اربعہ کا پابند کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، ان کے علاوہ کسی اور امام کی تقلید بھی جائز ہے ۴۰؎ سابق بحث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تلفیق تقلید پر ہی مرتب ہوتی ہے۔ لہذا یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تقلید کیا ہے؟

تقلید:

کسی انسان کے قول کی صحت کی دلیل جانے بغیر اس کی اتباع تقلید ہے، خواہ خود تقلید کے صحیح ہونے کی دلیل سے اچھی طرح واقفیت ہو، پھر اس عمل کو تقلید یا اتباع کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ ان دونوں الفاظ میں لغت کے اعتبار سے کوئی فرق بھی ثابت نہیں ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی بدترین قسم کو اتباع سے تعبیر فرمایا ہے: اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوا وَ رَأَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا البقرۃ: ۶۶-۶۷ (جب متبوعین نے متبعین سے براءت کر لی اور عذاب دیکھ لیا اور سارے اسباب منقطع ہو گئے تو متبعین نے کہا کہ اگر ہم کو دوبارہ موقع ملے تو ہم بھی ان سے ایسے ہی براءت کر لیں جیسا کہ انہوں نے ہم سے براءت کی)

بلاشبہ یہاں اندھی تقلید سے مراد ہے جو کفار نے اختیار کر رکھی تھی جس کا کوئی جواز نہیں ہے ۴۱؎

تقلید کی مشروعیت اور غیر مجتہد کے لیے اس کے وجوب کے دلائل:

۱) کتاب وسنت کی اتباع معصوم کی اتباع ہے اور ائمہ کی اتباع غیر معصوم کی۔ دنیا میں ہر عاقل یہ بات جانتا ہے کہ اگر تمام لوگ معصوم کی اتباع کی کیفیت اور اس کے کلام کے مقصد کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تو مقلدین اور مجتہدین میں تقسیم نہ ہوتی اور نہ اللہ تعالیٰ مقلدین سے فرماتا: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ النحل:۴۳ (اہل ذکر (علماء) سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ذکر کی اتباع کا حکم دیا ہے، حالاں کہ وہ غیر معصوم ہیں اور کتاب وسنت کے الفاظ کی طرف رجوع کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ دونوں معصوم ہیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے لیے اہل علم کی تقلید کے حکم کی حیثیت رکھتی ہے جو حکم جانتے ہیں نہ اس کی دلیل، اور علمائے اصول نے اسی آیت کو عام آدمی کے لیے مجتہد عالم کی اولین سند بنایا ہے [۴۲]

اس مطلب کی حامل ایک دوسری آیت ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبۃ:۱۲۲)

سب مؤمنوں کو جہاد کے لیے نکلنا ضروری نہیں، دین میں تفقہ کے لیے ہر جماعت کے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے، تاکہ جب ان کی جماعت والے جہاد سے واپس آئیں تو یہ ان کو دینی تعلیمات سے آگاہ کریں اور وہ ہشیار ہوں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے جہاد میں نکل جانے کی ممانعت فرمائی اور ایک گروہ کو اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرنے کا حکم دیا تاکہ جب مجاہدین واپس آئیں تو اللہ کے احکام کے بیان اور حلال حرام کے فتوی دینے کے لیے ایک جماعت تیار پائیں [۴۳]

۲) صحابہ کرام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ علم میں ایک دوسرے سے کم وبیش تھے، سب کے سب مفتی تھے نہ ان سب سے دین حاصل کیا جاتا تھا، بلکہ ان میں مفتی ومجتہد دیگر لوگوں کے مقابلے میں اقلیت اور مقلد فتوی پوچھنے والے غالب

اکثریت تھے ، اور مفتی صحابہ فتوی پوچھنے والوں کو حکم کے ساتھ دلیل بیان کرنے کی پابندی نہیں کرتے تھے، نیز رسول اللہ ﷺ فقیہ صحابی کو ایسی جگہ بھیجتے تھے جہاں کے باشندے اسلام کے عقیدہ و ارکان کے علاوہ کچھ نہ جانتے تھے ، تو وہ لوگ عبادات و معاملات اور حلال و حرام کے معاملات میں اس صحابی کے تمام فتووں کی اتباع کرتے تھے، کبھی ایسے امور بھی پیش آجاتے تھے جن میں صحابی کے پاس کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ہوتی تھی تو وہ صحابی اس معاملہ میں اجتہاد فرماتے اور کچھ جو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے ان کی سمجھ میں آتا اس کے مطابق فتویٰ دیتے اور لوگ ان کی تقلید کرتے ۴۴۔ صحابہ کے عہد میں ایسے مفتی حضرات کی تعداد بھی محدود تھی جو فقہ، روایت اور استنباط کے ملکہ کے لیے معروف ہوئے ۔ان میں مشہور ترین اہل افتاء میں خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن مسعودؓ، ابو موسی اشعریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ تھے، ان بزرگ حضرات کے مذہب اور فتوی کے مقلدین کی تعداد بے شمار تھی۔

تابعین کے زمانہ میں اجتہاد کا دائرہ وسیع ہوا اور مسلمان اس عہد میں بھی صحابہ کرام کے طریقہ پر چلے مگر اجتہادی عوامل کی وجہ سے اجتہاد دو بنیادی مسالک کی شکل میں سامنے آیا: اہل رائے کا مسلک اور اہل حدیث کا مسلک عراق میں اہل رائے مذہب کے بزرگ علماء میں علقمہ بن قیسؒ، مسروق بن اجدعؒ، ابراہیم بن یزیدؒ اور سعید بن جبیرؒ تھے۔عراق اور اس کے آس پاس تمام لوگ کسی نکیر کے بغیر اس مذہب کی تقلید کرتے تھے۔حجاز میں اہلِ حدیث مذہب کے بزرگ علماء میں سعید بن مسیّبؒ، عروۃ بن زبیرؒ، سالم بن عبداللہ بن عمرؒ، سلیمان بن یسارؒ اور نافع مولی عبداللہ بن عمرؓ تھے۔حجاز اور اس کے اردگرد کے عام لوگ کسی نکیر کے بغیر اس مذہب کی تقلید کرتے تھے۔ان دونوں مذاہبوں کے بزرگ علماء کے درمیان کبھی کبھی سخت بحثیں اور نزاعات بھی ہو جایا کرتے تھے۔لیکن ان سے کم علم وفقہ رکھنے والے افراد اور عوام کو ان نزاعات سے کوئی مطلب نہ ہوتا تھا۔وہ کسی نکیر کے بغیر جس مجتہد عالم کے قریب ہوتے یا جس کی چاہتے تقلید کرتے ، اور معذور جاہل پر مجتہدین کے بحث و مباحثہ کا کوئی اثر نہ پڑتا ۴۵۔

۳) عقلی دلیل: جس شخص میں اجتہاد کی اہلیت نہ ہو اس کو جب کوئی دینی مسئلہ پیش آئے تو درج ذیل صورتیں اختیار کر سکتا ہے:

۱) وہ کسی چیز کی پابندی قبول نہ کرے۔ یہ طریقہ اجماع کے خلاف ہے۔

۲) وہ حکم ثابت کرنے والی دلیل پر غور کر کے کسی چیز کا پابند ہو، لیکن یہ بات ناممکن ہے۔ اس لیے کہ اس طرح ہر شخص دلائل پر غور کرنے کا پابند ہو جائے گا یہ صورت اختیار کی جائے تو تمام کاروبار حیات معطل ہو جائیں گے جو شرع کا مقصود نہیں ہے۔

۳) لہٰذا اب تقلید ہی بچی جس کے ذریعہ عبادت گذاری ممکن ہے۔

کتاب وسنت اور عقل سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عامی اور وہ عالم جو اجتہاد و استنباط کے مقام تک نہ پہنچا ہو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ دلیل و برہان پر نظر رکھنے والے کسی مجتہد کی تقلید کرے، اس لیے کہ علماء نے کہا ہے کہ ایک عامی کے لیے مجتہد کے فتوے کی وہی حیثیت ہے جو مجتہد کے لیے کتاب وسنت کی دلیل کی ہے، اس لیے کہ قرآن کریم نے جس طرح ایک عالم کو کتاب وسنت کے دلائل و براہین کا پابند کیا ہے اسی طرح ایک جاہل کو عالم کے اجتہاد اور فتوے کا پابند کیا ہے۔ اسی لیے امام شاطبیؒ نے لکھا ہے: "عوام کے لیے مجتہدین کے فتاوی کی وہی حیثیت ہے جو مجتہدین کے لیے شرعی دلائل کی ہے۔" ۴۶

کیا اصولی طور پر متعین مذہب کی پابندی مطلوب ہے؟

جاہل پر تقلید واجب ہے اور یہ مطلق حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واضح ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل: ۴۳) اس لیے جب جاہل نے اہل ذکر (مستند علماء) سے مسئلہ معلوم کر کے ان کی تقلید کر لی تو اس نے اپنے لیے حکم الٰہی کی تعمیل کر لی، اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے متعین امام کی پابندی کی یا نہیں، یا اس نے متعین امام کی پابندی اس سے قربت یا اس کے مذہب پر آسانی سے مطلع ہونے یا اس کے مذہب سے زیادہ اطمینان کی وجہ سے کی۔ اس کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اصلی دلائل، جن کو وہ نہ سمجھ سکتا ہو، ان میں سے ہر ایک میں اس پر

مجتہد کی اتباع واجب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ کسی پابندی کا اس کو مکلّف نہیں کیا ہے، نہ مجتہدین کو بدلنے کا اور نہ کسی ایک کو ہمیشہ پکڑے رہنے کا۔ علماء کے نزدیک یہ متفقہ حکم ہے،اس کی دلیلیں یہ ہیں:

۱) اتباع و تقلید کا حکم واجب ہے اور ایک امام کو پکڑے رہنا یا اماموں کو بدلتے رہنا اصل واجب حکم پر اضافہ ہے۔ اس کے وجوب کی کوئی دلیل الگ سے ہونی چاہئے جو موجود نہیں ہے، اس لیے کہ دلیل تو صرف اس بات کی ہے کہ جو شخص خود دلائل کو جانچ پرکھ کر احکام استنباط نہ کر سکے وہ کسی ایسے امام کی اتباع کرے جس میں اجتہاد کی قدرت موجود ہو، اب اس دلیل پر جو زیادتی بھی کی جائے گی وہ ایجادِ بندہ اور بدعت ہوگی جس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

ایک امام سے دوسرے امام کی طرف منتقلی کے صحیح ہونے کے لیے جمہور علماء اصول اور فقہا کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس منتقلی میں خواہش نفس کا دخل ہو اور شرعی واجبات و تکالیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کا جذبہ نہ ہو، نیز ایک عبادت میں ایک مجتہد سے زیادہ کی تقلید نہ کرے۔

۲) صحابہ و تابعین کا زمانہ گذر گیا، اس کے بعد فقہی مذاہب کے اماموں اور ان کے علماء کا زمانہ آ گیا۔ اس پوری صورت حال میں یہ نہیں سنا گیا کہ کسی امام نے ائمہ اور مفتیوں کے مقلدین کو ایک متعین امام یا مفتی کی تقلید کا پابند بنایا ہو، نہ کسی امام نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ سب ائمہ سے علم حاصل کرتے رہیں، مگر ایک متعینہ مدت کے لیے اس میں سے صرف ایک امام کی تقلید کریں، بلکہ اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ وقت اس امام کے نام کا اعلان ضرور کرتا تھا جس کے سپرد اس نے فتوے کی خدمت کی ہے، اور لوگوں کو متوجہ کرتا تھا کہ اپنے مسائل اس سے پوچھیں اور دینی امور میں اس کی اتباع کریں، نیز اس کے علاوہ لوگوں کو فتویٰ دینے سے اس لیے منع کر دیتا تھا کہ مختلف فتاویٰ کے سبب لوگ حیران و پریشان نہ ہوں۔[۴۷]

فاضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید:

فاضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید سے متعلق دو آراء ہیں:

۱) علم، تقویٰ اور دین کے اعتبار سے افضل سے استفتا واجب ہے، اور راجح ترین شخص کی تلاش بھی سائل پر واجب ہے، اس کے بعد اس کی اتباع کرے۔ تلاش و جستجو کے بجائے عالم کی شہرت بھی کافی ہوسکتی ہے، امام غزالی نے کہا ہے: میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ سائل کو افضل کی اتباع کا پابند ہونا چاہئے۔ لہٰذا جس کا یہ خیال ہو کہ امام شافعیؒ زیادہ بڑے عالم ہیں اور ان کے مذہب میں صحت کا غلبہ ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان کے خلاف مذہب کو اپنی خواہش سے اختیار کرے۔۴۸ اس رائے کے قائل حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے مجتہدین کے اقوال کی حیثیت دلیلوں کی ہے، اور مجتہد کے لیے ان کی حیثیت متعارض دلائل کی، ان کے لیے ترجیح واجب ہے اور ترجیح دینے کی صلاحیت علم و فضل کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے کہ زیادہ جاننے والا زیادہ قوی ہوگا، اور زیادہ جاننے والے کی معرفت یا تو جانچ پرکھ اور تجربہ سے ہوسکتی ہے یا اس کی شہرت سے اور لوگوں سے سن کر اور رجوع عام دیکھ کر۴۹

۲) سائل کو اختیار ہے، جس عالم سے چاہے مسئلہ پوچھے، خواہ علماء آپس میں ہم رتبہ یا ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں، یعنی علم میں فاضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ النحل: ۴۳ (علماء سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو) عام ہے، نیز صحابہ کا اجماع ہے، اس لیے کہ صحابہ میں فاضل اور مفضول مجتہدین تھے، اور ان میں عوام تھے، مگر کسی صحابی سے عوام کو مجتہد صحابہ کے درمیان ترجیح دینے کی تکلیف دینا منقول نہیں ہے، اگر اختیار نا جائز ہوتا تو تمام صحابہ عدم انکار پر متفق نہ ہوتے۔ آمدیؒ نے اسی اجماع کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۵۰: صحابہ میں فاضل اور مفضول مجتہد تھے، دیگر لوگوں کے مقابلہ میں خلفائے اربعہ اجتہاد کے طریقہ کو زیادہ جانتے تھے، اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی ، عضوا علیها با لنواجد ۵۱ (تم پر میری

سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت واجب ہے اس کو دانتوں سے پکڑے رہو) نیز آپؐ نے فرمایا: اقضاکم علي وافرضکم زید، وأعرفکم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ۵۲ (قضا کے لحاظ سے علیؓ، علمِ فرائض کے لحاظ سے زیدؓ اور حلال اور حرام کی معرفت کے لحاظ سے معاذ بن جبلؓ سب سے زیادہ جاننے والے ہیں) نیز صحابہ میں عوام بھی تھے، جن پر صرف مجتہدین کی اتباع اور ان کے اقوال کو اختیار کرنا واجب تھا، صحابہ کرام اور سلف میں کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ سر برآوردہ مجتہد صحابہ کے درمیان عوام کو ترجیح کی تکلیف دی گئی، نہ ان میں سے کسی نے فاضل کی موجودگی میں مفضول کی اتباع اور اس سے استفتاء پر کوئی نکیر کی، اگر یہ ناجائز ہوتا تو صحابہ کا اس کے عدم انکار اور عدم ممانعت پر اتفاق نہ ہوتا اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے اجماع سے جس عالم سے چاہے مستفتی کے سوال کرنے اور مختلف اقوال میں جس کو چاہے اختیار کرنے کا جواز راجح ترین ہے۔ اس لیے کہ مطلقاً افضل سے استفتاء کے حکم سے تقلید کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ ہاں! اگر ہم اس کو ''ممکن حد تک شہر کے مجتہدین میں افضل'' سے مقید کردیں تو اگرچہ سائل پر افضل کی تلاش لازم آئے گی، لیکن عام طور پر افضل عالم ہر شہر میں معروف ومشہور ہوتا ہے۔ ۵۳

آسان ترین اقوال میں سے قوانین اختیار کرنا:

ولی امر یا حاکم کے لیے متعدد شرعی مذاہب میں سے آسان ترین اقوال کو اختیار کرنے میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ممنوع تلفیق کی قسم نہیں ہے، اس لیے کہ مختلف مذاہب میں سے اختیار کردہ احکام بدلنے والے امور کے کلی احکام ہوتے ہیں جن کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ اگر عملی تطبیق کے دوران ان میں تلفیق ہوگئی تو وہ غیر مقصود ہوگی، جس میں کوئی حرج نہیں، جیسے بغیر ولی کے صحت نکاح۔

دلیل کے اعتبار سے ممانعت کے مقابلہ میں تلفیق کا جواز فی الجملہ زیادہ قوی ہے۔ مزید بات یہ کہ اس سے افراد اور جماعتوں کی مصالح پوری ہوتی ہیں۔ اگر ہم تلفیق کو ہر صورت کو ناجائز فرض کریں تو حاکم کا کسی رائے کو اختیار کرکے قانونا نافذ کرنا

علماء کے بقول حکم کو تقویت بخش دے گا، خواہ وہ ضعیف قول ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اگر وہ یقینی شرعی معصیت کا حکم نہ ہو تو اس کی اطاعت بھی واجب ہوگی۔

بیسویں صدی کی ابتدا سے قانون سازی کے میدان میں مختلف فقہی مذاہب میں اختیار وانتخاب شروع ہو چکا ہے، جب کہ عثمانی حکومت نے صنعتی تجارتی معاملات کی ضرورت میں اضافہ، داخلی و خارجی تجارت کے طور وطریقوں میں تبدیلی، حقوق کی نئی قسموں (جیسے مؤلفین و موجدین کے ادبی حقوق) کے ظہور، درآمد کئے ہوئے سازوسامان کی انشورنس کے عقود کی ضرورت اور بڑے کارخانوں کے ساتھ صنعت سازی کے عقود کے میدان میں وسعت کی وجہ سے معاملات تجارت وصنعت اور ان کی شرائط میں آزادی اور معقود علیہ سامان کے مکان کی قابلیت و صلاحیت میں توسیع کی ضرورت محسوس کی اور اصول المحاکمات قانون سنہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کی دفعہ ۶۴ کو ایک ایسی دوسری دفعہ سے بدلا جس کے اصول ابن شبرمہ اور حنبلی مسلک کے علاوہ دوسرے ایسے مسلکوں سے اخذ کیے گئے تھے جن میں شرائطِ معاملات کی آزادی کے دائرہ میں وسعت اور سلطان قانونی کے اصول سے قربت ہے، یعنی یہ کہ ''عقد معاملہ کرنے والوں کی شریعت'' ہے اور نئی دفعہ میں درج ذیل تین اصولوں کو جائز کر دیا:

۱) تعاقد کے لیے مکان کی قابلیت وصلاحیت میں توسیع، تاکہ عرف میں جاری موجودہ اور مابعد کی تمام چیزیں شامل ہو جائیں۔

۲) ہر ایسے معاہدہ اور شرط کا جواز جو عدم نظام اور خاص قوانین وآداب اور جائدادوں، عائلی حالات اور اوقاف کے قوانین کے خلاف نہ ہو۔

۳) بنیادی باتوں پر اتفاق کے فوراً بعد عقد کو مکمل شمار کیا جائے، خواہ فرعی امور ذکر نہ کیے گئے ہوں۔ اس طرح عقد کی تشکیل میں جہالت غیر مضر ہوگی، اور عقد بازار کے بھاؤ یا جس بھاؤ پر کسی دن ٹھہرا ہو، اس کے مطابق ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ عثمانی حکومت نے سنہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں آج تک معمول بہ عائلی حقوق کی قرارداد جاری کی جس میں حنفی مسلک کے علاوہ تینوں مذاہب کے کئی

احکام اور حنفی مسلک کے بعض ضعیف اقوال اختیار کیے گئے۔

ملفق قوانین کی نمایاں ترین مثال ''محروم لڑکے کی اولاد'' کے مسئلہ کے حل کے لیے مصری عائلی قانون سنہ ۱۹۴۶ء کی دفعات ۷۶-۷۹ میں واجب وصیت کا قانون نمبر ۷۱ ہے۔ یہ متعدد فقہی آراء سے ماخوذ ہے، جیسے ابن حزم ظاہریؒ، بعض تابعی فقہاء کے اقوال اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کی ایک روایت، لیکن اس کو کسی متعین فقہی رائے کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے[۵۴]

خاتمہ وحاصل کلام:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تلفیق کے موضوع پر یہ انتشار تقلید اور اسلامی حکومت کی کمزوری کے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں فقہا کے درمیان یہ خیال عام ہونے کا نتیجہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، اور بعض فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ملفق حکم بالاجماع باطل ہے! سوال یہ ہے کہ یہ کیسا اجماع ہے جس نے مسلکی فقہ کو ایسی دینی پابندی کی شکل دے دی جس کی مخالفت جائز نہیں؟ نیز یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ ملفق حکم کے بارے میں اجماع کا دعوی ہی صحیح نہیں ہے۔

ہماری بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ عامی جس کو اجتہاد کے قابل بنانے والے علوم کی معرفت نہیں ہے، اس پر یہی لازم ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں اپنے مفتی کے فتوے پر عمل کرے، اس لیے کہ کسی فقہی مسلک کو اپنا مذہب بنانے کے لیے خود ایک قسم کے غور وفکر کی قوت اور استدلالی صلاحیت مطلوب ہے جو ایک عامی آدمی میں نہیں ہے کہ وہ رخصتوں کی تلاش کو سمجھ سکے، لیکن جس کو فقہ کی سمجھ، غور وفکر کی قوت، استدلالی صلاحیت، ترجیح پر قدرت اور مسائل فقہ کی فہم ہو وہ فقہی مذاہب میں رخصتوں کی تلاش کر سکتا ہے۔

رخصتوں کی تلاش سے بعض افراد کے سامنے سہل انگاری اور شرعی تکالیف سے فرار کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ خصوصاً عبادات کے معاملے میں اکثر اپنے اوپر سختی کرتے ہیں، غالباً دینی احساس بیش تر لوگوں کو مشروع رخصتوں کے استعمال سے روکتا ہے، حالاں کہ ان رخصتوں کے بارے

میں بعض فقہا کا خیال ہے کہ نبی ﷺ کے قول: **ان الله یحب ان تؤتی رخصه کما یکره أن تؤتی معصیته** ۵۵ (اللہ تعالیٰ رخصتوں کا استعمال اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح معصیتوں کے ارتکاب کو ناپسند کرتا ہے) کی اتباع میں ان کا استعمال مطلوب ہے۔

لیکن جماعت کے لیے فقہ اسلامی سے ماخوذ قوانین بناتے وقت جملہ فقہی مذاہب اور مجتہدین کی آراء سے عصر و ماحول کے مناسب احکام کے اختیار کی سہولت کے لیے اگر رخصتوں کی تلاش کی اباحت کو ملحوظ رکھا جائے تو مجموعی طور پر یہ فقہ اسلامی کی نمائندگی ہوگی۔ یہ جماعت کی مصلحت اور فقہ اسلامی سے استفادہ کو دیکھتے ہوئے اس بات سے بہتر ہوگا کہ ہم لوگوں کو ایک متعین مذہب کے احکام کا پابند کرکے یا کچھ احکام ایک مذہب کے اور دیگر احکام دوسرے مذہب کے لازم کرکے تنگی کریں، جو ہوسکتا ہے کہ ہمارے عہد اور ماحول سے میل نہ کھاتے ہوں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فقہی مسلک کے مطابق عبادت کرنے اور اپنے تمام مسائل میں اسی کی طرف رجوع ہونے کا حکم نہیں دیا ہے، نیز رخصتیں مجتہدین کی بتائی ہوئی ہیں جو دلیلوں کی بنیاد پر استنباط کی گئی ہیں، مزید براں یہ سہولت ہم کو ہمارے عقیدہ و ماحول سے اجنبی بیرونی قوانین کی ضرورت سے نجات دلائے گی اور ہم اپنے معاملات میں اپنے دین اور اس کے احکام کے دائرہ میں خوشی خوشی رہیں گے۔

مصر میں فقہ اسلامی سے اختیار کردہ مجموعہ قوانین وضع کرتے وقت عملاً اس رائے کی اتباع کی گئی ہے، جیسے کہ وقف، وصیت، میراث، مال کی ولایت، نفس کی ولایت اور شخصی احوال کے قوانین، نیز دیگر قوانین کی بعض دفعات۔ ہماری رائے میں یہ تلفیق اجتہاد کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اس کام کو اہل بحث و تحقیق اور غور و فکر کی صلاحیتوں کے مالک بزرگ علماء ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس میں ہر اس شخص کو داخل ہونا چاہیے جس میں ہمارے بیان کے مطابق شرائط موجود ہوں۔ اگر نیت صحیح ہو اور اجتہاد کا کام کرنے والے صاحب تجربہ فقہ کے ایسے علماء ہوں جن کو فقہی فہم و بصیرت کا ملکہ اور احکام کی علتیں معلوم کرنے اور نئے مسائل کے

احکام مستنبط کرنے کی قدرت ہوتو اس نتیجہ خیز عمل پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ اجتہاد کا ثمرہ ہوگا اور اجتہاد کو ہر زمانہ میں جاری رہنا چاہیے۔

ہم نے پہلے کہا ہے کہ عامی، جس کو دینی احکام کی معرفت نہ ہو، وہ ان احکام کو مفتی سے حاصل کرے، نیز دینی احساس اب تک لوگوں کو رخصتوں کی تلاش سے روکتا ہے کہ کہیں خواہشاتِ نفس کے زمرے میں داخل نہ ہوجائیں، اسی طرح جن فقہاء کو مناسب احکام کے اختیار کرنے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے وہ لوگوں کی مصالح اور ان کے ماحول کا خیال کرتے ہیں، لہٰذا اس کوشش سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں خیر و مصلحت ہے۔ فقہ اسلامی سے ماخوذ اسلامی قوانین کے واضعین نے متعین مذہب کے احکام کی پابندی کی ہے نہ فقہی مذاہب اربعہ کی۔ انہوں نے تو فقہ اسلامی کے اندر رہتے ہوئے مذہب سے وہ چیز لی ہے جس کی شدید ضرورت ان پر واضح ہوگئی، لہٰذا ان قوانین میں ہر حکم مسلمانوں کے کسی نہ کسی امام کا قول ہے، یا کسی قابلِ لحاظ فقیہ کی رائے ہے یا ان تمام اقوال و آراء کا مجموعہ۔ سلف صالح کا یہی مسلک رہا، مسلمان اسی طریقہ پر عہدِ رسالت سے گام زن رہے، ائمہ فقہ کے مذاہب کی تشکیل صحابہ و تابعین کے مسالک سے اخذ و اختیار کی رہینِ منت تھی، ان کے بعد آنے والے فقہاء بھی اسی راستہ پر چلے اور کسی مذہب کے اہلِ تخریج و ترجیح اس راستہ سے روکش نہ ہوئے۔ ۵۶

تقلید کی طرح تلفیق کا میدان بھی ظنی اجتہادی مسائل میں محصور ہے۔ شرعی احکام کی وہ باتیں جو دینی ضرورت کے لحاظ سے بداہتاً معلوم ہوتی ہیں (یعنی مسلمانوں کی اجماعی تعلیمات، جن کا منکر کافر ہوجاتا ہے)، ان میں تقلید صحیح ہے نہ تلفیق۔ اس لیے ایسی تلفیق جائز نہیں جس سے حرام چیزیں مباح ہوجائیں، جیسے نبیذ، زنا وغیرہ۔ تلفیق کے جواز اور عدمِ جواز کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ تلفیق ممنوع ہے جو شریعت کے ستونوں کو ڈھائے اور اس کی سیاست و حکمت کو مٹائے، خاص طور پر ممنوع شرعی حیلے۔ ۵۷ اس کے برعکس وہ تلفیق جو شریعت کے ستونوں اور اس کی حکمت و سیاست کے مقاصد کو مضبوط کرنے کے لیے لوگوں کی عبادتیں آسان کرکے اور معاملات میں ان

کے مصالح کی حفاظت کرکے ان کو سعادتِ دارین نصیب کرے تو جائز اور مطلوب ہے[۵۸]
اس موضوع پر دسویں صدی ہجری کے بعد علماء نے بہت بحث کی ہے، ساتویں صدی سے پہلے یہ بحث نہیں ملتی۔

حواشی ومراجع

۱۔ وهبة زحيلى، الضوابط الشرعية للأخذ بأيسر المذاهب، طبع دوم، دارالہجرۃ، دمشق، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ص۴-۶

۲۔ عبداللہ بن عمر، منهاج الوصول الى علم الأصول، تحقيق سليم شبعانية، واردانيه للطباعة، دمشق، ۱۹۸۹ء ص ۱۳۶

۳۔ جمع الجوامع، ۲/۱۶۹

۴۔ أحمد بن ادریس قرافی، شرح تنقيح الفصول فى اختصار المحصول فى الأصول، تحقيق طه عبد الرؤوف سعد، مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص ۳۲۸-۳۲۹

۵۔ علی بن ابوعلی آمدی، الإحكام فى أصول الأحكام، تعلیق عبدالرزاق عفیفی، ۱۳۸۷ھ، ۱/۲۷۵ ومابعد

۶۔ المختصر، ۲/۳۹ ۷۔ التلويح والتوضيح، ۲/۵۰۰-۵۰۱

۸۔ حاشية الإزميرى على شرح مرقاة الوصول المسمّى بمرآة الأصول لخسرو، دارالطباعة العامرة، ۲/۲۶۳-۲۶۴

۹۔ محبّ اللہ عبدالشکور، مسلم الثبوت فى أصول الفقه، ۲/۲۳۵

۱۰۔ سرخسی بھی ان ہی علماء میں ہیں۔

۱۱۔ سلام مدکور، مناهج الاجتهاد فى الإسلام، مطبوعات جامعة الكويت، ۱۹۷۴ء، ص ۴۴۱-۴۴۲

۱۲۔ الفیروزآبادی، القاموس المحيط، مطبعة السعادة، مصر، ۳/۲۸۱

۱۳۔ احمد بن محمد قسطلانی ،إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری، دار الفکر، مصر ،۱۳۰۴ھ،۶/ ۳۳۷ومابعداور مناهج الإجتهاد ،ص ۴۴۱،محمد احمد فرج سنہوری، التلفیق بین أحکام المذاهب (الرسائل الأربعة) ،ترکی ترجمہ خیرالدین قارمان، دار درقاه للنشر ،استنبول ۱۹۷۱ء،ص ۲۳۵

۱۴۔الضوابط الشرعية ،۳۲۔۳۳ ۱۵۔التلفيق بين أحكام المذاهب،ص ۲۳۶

۱۶۔ الضوابط للشرعية، ص۲۰۔۲۱ ۱۷۔ القاموس المحيط، ۲/ ۳۰۴

۱۸۔ عمر نصوحی بلمن ،قاموس الحقوق الإسلامية و الاصطلاحات الفقهية، داربلمن للنشر ، استنبول،۱۹۷۶ء،۱/ ۳۴

۱۹۔ قیاس کی دو قسمیں ہیں:(۱) قیاس جلی: جس میں قیاس کی وجہ فوراً معلوم ہو جاتی ہے۔(۲) قیاس خفی: جس میں قیاس کی وجہ غور وفکر سے معلوم ہوتی ہے۔قاموس الحقوق الإسلامية ،۱/ ۱۷۴،مسلّم الثبوت،۲/ ۳۲۰

۲۰۔ ابن امیر الحاج،التقرير و التحبير: الشرح على تحرير كمال الدين ابن الهمام، المطبعة الكبرى الاميرية، مصر، ۱۳۱۷ھ،۳/ ۳۵۱

۲۱۔ محمد بن محمد غزالی،المستصفیٰ فی علم الأصول، دار صادر، بیروت،۱۳۲۴ھ

۲۲۔ابراہیم بن موسیٰ لخمی غرناطی،الموافقات فی أصول الشريعة، تحقيق عبد الله دراز، المطبعة الرحمانية،مصر،۴/ ۱۳۲ومابعد ،اور مناهج الاجتهاد،ص ۳۴۷۔۳۴۸

۲۳۔ احمد بن ادریس قرانی،الإحكام فی تميز الفتاویٰ عن الأحكام، تصحيح محمود غرنوس، مطبعة الانوار ، ۱۳۵۷،ص ۲۰۔۲۱،۲۲۔۲۳

۲۴۔ اسی لیے عمار بن یاسرؓ کے بارے میں بروایت حضرت عائشہؓ نبی ﷺ سے مروی ہے:ماخُيّر عمار بين أمرين الااختار أشدّهما (عمار دو امور میں سے سخت ترین کو اختیار کرتے تھے) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ یہ احتیاط اور تقویٰ پر دلالت کرتا ہے۔سنن الترمذی، دار الدعوة للنشر ،استنبول،۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء،۵/ ۶۶۸، صحیح البخاری، کتاب البيوع ، تفسير المشبّهات ۳/ ۴،اسماعیل کوکصال، تغیر

الأحکام فی الشریعة الاسلامیة، رسالہ ڈاکٹریٹ، زیتونہ یونیورسٹی، تونس ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۴

۲۵۔ التقریر والتحبیر، ۳/۳۵۱، عبدالوہاب شعرانی، المیزان، المطبعة الأزھریة، مصر، ۱۳۲۸ھ، ۱/۱۴۔۱۵، الإحکام فی تمیز الفتاویٰ، ص ۲۰۔۲۱

۲۶۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، ۴/۱۶۶

۲۷۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب الدین یسر، ۱/۱۵

۲۸۔ الموافقات، ۴/۱۳۲۔۱۵۵ ۲۹۔ الضوابط الشرعیة، ص ۲۲۔۳۱

۳۰۔ الموافقات، ۴/ ۱۴۸ ۳۱۔ الإحکام فی تمیز الفتاویٰ، ص ۷۹۔۸۰

۳۲۔ امام لیث بن سعد عبدالرحمٰن ابوالحارث (۹۴۔۱۷۵ھ/۷۱۳۔۷۹۱ء) کے احوال کے لیے ملاحظہ کیجیے الأعلام، ۵/ ۲۴۸

۳۳۔ امام ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی (۷۷۔۱۵۷ھ/۷۰۷۔۷۷۳ء) کے احوال کے لیے دیکھیے الأعلام، ۳/۳۲۰

۳۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ/۸۳۹۔۹۲۳ء) کے حالاتِ زندگی کے لیے ملاحظہ کیجیے الأعلام، ۶/ ۶۹

۳۵۔ امام ابوسلیمان داؤد بن علی ظاہری اصفہانی (۲۰۱۔۲۷۰ھ/۸۱۶۔۸۸۴ء) کے احوال کے لیے ملاحظہ کیجیے الأعلام، ۲/۳۳۳

۳۶۔ امام ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/۷۱۶۔۷۷۸ء) کے احوال کے لیے ملاحظہ کیجیے الأعلام، ۱/۱۰۴

۳۷۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ وتابعین کی اتباع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِینَ وَالاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوا عَنْہُ (التوبة۔۱۰۰) اور امام شافعیؒ نے صحابہ کے بارے میں کہا ہے: "ہمارے لیے ان کی رائے ہماری رائے سے بہتر ہے"۔ إعلام الموقعین، ۲/۱۸۶، ۲۱۱

۳۸۔ إعلام الموقعین، ۳/۴۱۹ ۳۹۔ مسلّم الثبوت، ۲/ ۳۵۷

۴۰۔ الضوابط الشرعیة، ص ۹۔۱۱

۴۱۔ اللامذهبية، ص۵۲، أصول الفقہ، ص۳۸، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید (الرسائل الأربعة)، ترکی ترجمہ خیر الدین قارمان، دار ورقاہ استنبول، ۱۹۷۱ء، ص۲۰۲

۴۲۔ اللامذهبية، ص۷۔۸

۴۳۔ محمد بن احمد قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتب المصرية، القاهرة، ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء، ۸/۲۹۳۔۲۹۴

۴۴۔ المستصفیٰ من علم الأصول، ۲/۳۸۵، الإحکام فی أصول الأحکام، ۳/۱۷۱

۴۵۔ عبدالوہاب خلاف، تاریخ التشریع الاسلامی، طبع ہشتم، الدار الکویتية، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء، ص۲۹، ۵۷، أسد قیلج، أصحاب الرأی فی الفقه الإسلامی، مطبعه جهان، القره، ۱۹۷۵ء، ص۲۹۔۳۱

۴۶۔ الموافقات، ۴/ ۹۲۹، اللامذهبية، ص۵۲۔۵۷، أصول الفقه، ص۳۸۰۔۳۸۲

۴۷۔ اللامذهبية، ص۵۹۔۶۳، الضوابط الشرعية، ص۱۲

۴۸۔ المستصفیٰ، ۲/ ۱۲۵

۴۹۔ الموافقات، ۴/۲۹۲، اللامذهبية، ص۵۲۔۵۷، أصول الفقه، ص۳۸۰۔۳۸۲

۵۰۔ الإحکام فی أصول الأحکام، ۳/۱۷۳

۵۱۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، سنن الدارمی، دار الدعوة، استنبول، ۱۹۸۱ء، مقدمہ ۴۴

۵۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، دار الدعوة، استنبول ۱۹۸۱ء، ۳/۲۸۱

۵۳۔ الضوابط الشرعية، ص۱۶۔۲۰ ۵۴۔ الضوابط الشرعية، ص۴۸۔۵۲

۵۵۔ مسند أحمد بن حنبل، ۲/۱۰۸ ۵۶۔ مناهج الاجتهاد، ص۴۵۰۔۴۵۲

۵۷۔ إعلام الموقعين، ۳/ ۲۵۵ ۵۸۔ الضوابط الشرعية، ص۳۴۔۳۷

(سہ ماہی آفاقِ الثقافة والتراث، دبی، جلد: ۱، شمارہ: ۳۹، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص۶۔۱۷)